ڈاکٹر معین الدین عقیل

جدید جاپانی ادب کا ایک رجحان ساز شاعر
ہاگی وارا ساکوتارو

Abstract: - *Hagiwara is a highly distinctive poet and one of the finest in modern Japanese literature. And he was the the first to write perfect free verse form of poetry and used the colloquial language. His poetry presents personal feelings of a deprived human being and a sense of social and moral decline and creating a strange world of morbid sensibility and bizzare fantasy. His poetry shows the typical and specific trends and style of poetic _expression emerged in modern Japanese poetry and paved a way of a most modern poetical tradition in Japanese literature.*

ہاگی وارا ساکوتارو کی شخصیت اور شاعری کا مطالعہ ہمیں ایک ایسے شاعر سے متعارف کراتا ہے کہ جس کو اگر ہم اپنے ماحول اور اپنی شاعری میں تلاش کرنا چاہیں ___ تو کسی ایک یا دو شاعروں سے اس کو مماثل ٹھہرانا شاید ممکن نہ ہو۔ لیکن کلام میں نفسیاتی ہیجان، یاسیت اور احتجاج کے تنوع میں شاید اسے میراجی اور ن۔م راشد سے قریب تر کہنا زیادہ مناسب ہو سکے گا۔ دور اس کا قریب قریب وہی ہے جس دور میں ہمارے ہاں (علامہ) اقبال عروج پر تھے۔ یعنی ۱۸۸۶ء میں وہ پیدا ہوا اور محض ۵۶ سال کی عمر پا کر ۱۹۴۲ء میں فوت ہو گیا۔

ہمارے ادب میں، بلکہ عالمی ادب میں ___ یہ دور جدید رجحانات، نئے تصورات، نئے اسالیب اور نئے نئے تجربات کا دور ہے۔ اس دور میں جاپان بھی ___ اپنی تمام تر روایت پرستی، ماضی سے اپنے گہرے لگاؤ اور عالمی تناظر میں اپنی دور افتادگی کے باوجود اپنے فنی، ثقافتی اور معاشرتی طرزِ احساس میں خود کو تنہا نہ رکھ سکا۔ جدید ادب کے رجحانات وہاں بھی عام ہوئے ___ مغرب کے تصورات نے اپنا اثر وہاں بھی قائم کیا اور شاعری میں جن شعراء نے اپنے طرزِ احساس، اپنی فکر اور اپنے اسلوب سے انقلاب برپا کیا اور ادب و فن کی

نئی راہیں استوار کیں ان میں ہاگی وارا ساکوتارو کو اپنی انفرادیت پسندی اور اپنے متلون مزاجی کے لحاظ سے سب سے مختلف، نمایاں اور موثر کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اگر معیار عصری حسیت کو بنایا جائے تو شاید جاپانی شاعری میں اس کے عہد میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا___ مغربی ادب کا اس نے راست مطالعہ نہیں کیا___ کہ تعلیم اس نے حاصل نہیں کی، بہت ابتدائی جماعتوں کے بعد اسکول کو خیر باد کہہ دیا۔

کچھ عرصہ جرمن زبان سیکھنے میں دلچسپی لی......لیکن بہت جلد اکتا گیا۔ ہاں تراجم اس نے پڑھے جس کا ثبوت بوڈلیئر، شوپنہاور اور پو کے ان حوالوں سے ملتا ہے جو اس کی تحریروں میں گاہے گاہے نظر آتے ہیں اور شاید ان کا بھی اثر تھا کہ اس نے جدید رجحانات میں گہری دل چسپی لی، جو بعد میں اس کے توسط سے جاپانی شاعری میں ایک انقلاب برپا کرنے کا سبب بنی۔

ساکوتارو کی ادبی نشو ونما اور شخصی تعمیر میں اس کے خاندان اور اس کے ابتدائی ماحول کا اس طرح ہاتھ تھا کہ والدین نے چاہا وہ تعلیم حاصل کرے اور شاعری نہ کرے___ لیکن اس نے اپنے والدین کی یہ دونوں خواہشیں پوری نہ کیں۔ پھر اسے اپنا ماحول بھی پسند نہ تھا___ چناچہ وہ اپنے ماحول اور اپنی سرزمین کو اچھے لفظوں سے یاد نہیں کرتا___ بلکہ اسے تہذیب سے ایک ناآشنا خطہ سے تعبیر کرتا ہے۔ اپنے ابتدائی ماحول سے اس کی ناگواری اس کی اس دور کی اکثر نظموں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اگرچہ ساکوتارو___ اپنے طرزِ احساس اور اپنے موضوعات کے لحاظ سے روایات سے ایک منحرف شاعر کے طور پر جاپانی شاعری کے افق پر نمودار ہوا اور جدید شاعری کی بنیادیں اسی سے استوار ہوئیں، لیکن وہ ماضی کی شعری روایات کا قدرداں بھی تھا۔ قدیم جاپانی شاعروں کے عشقیہ کلام کا اس کا مرتبہ ایک انتخاب Ren'ai Meika Shu(1931) اور ہائیکو کے اٹھارویں صدی کے ایک نمائندہ شاعر یوسا بوسون (Yosa Buson) پر اس کی تحریریں کلاسیکی شاعری کی مثبت روایات سے اس کی پسندیدگی کا ثبوت ہیں۔ لیکن ان سے قطع نظر ساکوتارو نے شاعری میں جدید نظم نگاری کو___ اور بالخصوص آزاد نظموں کو اسی طرح اپنا ذریعہ اظہار بنایا اور ان کی تخلیق میں اپنی انفرادیت اس طرح ثابت کی جس طرح اردو شاعری میں یہ کام

ن۔م راشد اور اختر الایمان نے کیا۔ بلکہ فطرت کا لاابالی پن اور مخصوص طرزِ احساس کا بیانیہ اسلوب ساکوتارو کو میراجی کے مماثل ٹھہراتا ہے۔ ہمارے ادب میں غزل میں قریب قریب یہی رویہ یگانہ چنگیزی کے ہاں نظر آتا ہے۔

ساکوتارو نے اپنی شاعری کی ابتدا جاپان کی اس وقت کی مقبول اور روایتی صنفِ سخن ''تنکا'' سے کی، جو بچپن ہی میں اس کے اسکول میگزین میں شائع ہونے لگیں۔ وہ دس برس تک اس صنف میں طبع آزمائی کرتا رہا، پھر وہ ''شی'' کی طرف مائل ہوا، جو ''تنکا'' اور ''ہائی کو'' سے مختلف صنف ہے۔ اس وقت وہ اسکول چھوڑ کر صحافت کے پیشے سے وابستہ ہوگیا تھا۔ اس عرصہ یعنی ۱۹۱۳ء میں اس کی ملاقات اس وقت کے ایک جدید رجحانات کے حامل شاعر Muroo Saisei سے ہوئی، جس سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے بھی جدید رجحانات اور جدید اسلوب میں نظمیں لکھنی شروع کر دیں۔

اس طرح اس کی شہرت کا وہ زمانہ شروع ہوتا ہے___ جس نے اسے شہرت ہی نہیں مقبولیت کے بامِ عروج تک بھی پہنچادیا۔ اس کی زبان، اسلوب اور اس کی تشبیہات اور علامتوں نے نہ صرف اس کے قارئین کو بلکہ معاصر ادب کو بھی بے حد متاثر کیا۔ یوں وہ اپنے اثرات کے لحاظ سے جاپان کے جدید ادب کی تاریخ میں ایک رجحان ساز شاعر کے طور پر نمایاں ہوا۔ اس نے دراصل عوامی اسالیبِ اظہار اور ادبی روایات کو اس طرح باہم ملادیا کہ ایک نئی شعری زبان اور نیا رنگ و آہنگ وجود میں آگیا، جو اسی سے مخصوص ہے۔

ساکوتارو نے اگرچہ شاعری کی ابتداء ایک روایتی اسلوب کا سہارا لے کر جاپانی شاعری کی مقبول صنف ''تنکا'' کی تخلیق سے کی تھی___ جو اپنے لہجے میں ہماری غزل سے قریب تر ہے لیکن___ چوں کہ اس کے مزاج سے یہ طرزِ اظہار مماثلت نہ رکھتا تھا، اس لیے اس نے اس صنف میں کسی خصوصیت یا انفرادیت کا اظہار کیے بغیر بہت جلد اپنے لیے اظہار کے وہ اسالیب اور موضوعات تلاش کر لیے___ جس پر اس کی مستقبل کی شہرت اور اہمیت کو استوار ہونا تھا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ جدید اور آزاد نظم کی تخلیق اور انہیں اپنا مخصوص ذریعۂ اظہار بنانے میں ساکوتارو کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑی۔ موسیقی سے اسے بچپن سے ہی لگاؤ تھا، بلکہ اسکول سے فرار

اختیار کر کے مینڈولین بجانا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔موسیقی کے اس ذوق نے اس کی شاعری کو بڑا اسہارا دیا، چناں چہ نوعمری ہی میں اس نے بطور شاعر اپنے علاقے میں نام پیدا کرلیا اور موسیقی سے اپنے لگاؤ کے باعث ایک موسیقار شاعر کے طور پر پہچانا جانے لگا تھا۔۳۱ سال کی عمر میں جب اس کا پہلا شعری مجموعہ Howling at the Moon شائع ہوا تو اس وقت تک وہ ایک شاعر کی مسلمہ حیثیت پر فائز ہو چکا تھا، اور پھر چار سال بعد ۱۹۲۳ء میں اس کے دوسرے شعری مجموعے The Blue Cat کی اشاعت نے اسے شاعری کی وسیع دنیا میں پوری طرح متعارف کرا دیا اور مقبولیت اس کے قدم چھونے لگی۔اب وہ ایک ایسے شاعر کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا تھا کہ جس نے میجی دور کے عہدِ اصلاح کی عوامی شاعری اور اس عہد میں نمودار ہونے والے جدید اسالیب ہی کو نہیں ___ بلکہ روایتی جمالیاتی اقدار کو بھی ٹھکرا کر اپنا وہ مزاج اور اسلوب تخلیق کیا جس پر اسے جاپان کی جدید شاعری کے ایک منفرد، ممتاز اور موثر ترین شاعر کے طور پر اپنی حیثیت کو منوانا تھا۔موسیقی سے اپنی فطری دل چسپی، تخلیق کے اپنے مختلف انداز اور طرز احساس کی اپنی انفرادیت کے باعث اس نے جو طرز اختیار کیا، اس نے اس کی شاعری کو آہنگ اور علامت نگاری کے ایک حسین امتزاج سے مخصوص کر دیا۔ان صفات کے باعث اس کی شاعری اس کی نری جذباتیت اور اس کے نفسیاتی و ہیجانی ردعمل ہی پر مبنی نہیں بلکہ یکسر انفرادی لب ولہجہ سے عبارت ہے جو صرف اس کے ساتھ مخصوص رہا۔

ساکوتارو کے مزاج میں موجود شدید جذباتی ردعمل، نفسیاتی اُلجھاؤ، یاسیت، تشنگی اور احساس تنہائی اس کے شعری موضوعات پر حاوی نظر آتے ہیں۔اس کا ایک سبب جہاں اس کا ابتدائی ماحول اور اس کی طبیعت کا لاابالی پن ہے ___ وہیں یہ سب کچھ اس وجہ سے بھی ہے کہ اس کی زندگی کا ایک طویل عرصہ مختلف قبیح امراض کا سامنا کرتے ہوئے گزرا ہے۔جن امراض کا وہ شکار رہا، ان کی جانب اس کا رویہ بڑا عجیب رہا۔نہ اپنے امراض سے اسے نفرت رہی نہ اس نے انھیں اپنے لئے عذاب سمجھا۔اس کے برعکس اس کا ردعمل غم وغصہ پر استوار رہا اور اس کشمکش نے اس کی شخصیت اور اس کے مزاج میں ایک چڑ چڑا پن اور بے اعتباری اور غیر یقینی کے جذبات بھی پیدا کر دیئے، جو اس کی شاعری کے لب ولہجہ اور اس کے موضوعات میں عام طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔اس کا یہ مزاج ایک ردعمل کی صورت میں تاعمر اس کی شخصیت اور شاعری کو متاثر کرتا رہا۔اس کی

شاعری میں احساسِ تنہائی، شدید حسیت، اپنے وجود سے بے نیازی، دنیا سے بے رغبتی اور احتجاجی ردِعمل اگر اس کی شاعری میں نمایاں نظر آتے ہیں تو اس کی یہی وجہ ہے۔اس کے اسی مزاج نے اس سے ایسی نظمیں تخلیق کروائیں جن کے طفیل وہ ایک ایسے شاعر کے طور پر سامنے آیا جس نے اپنی حد تک ساری جاپانی شاعری کی مسلمہ روایات کو توڑ کر اپنی دنیا آپ پیدا کی، جس پر بعد میں جدید جاپانی شاعری کی موجودہ عمارت تعمیر ہوئی۔

بظاہر اسکی شاعری کے موضوعات پر یاسیت، نفسیاتی ہیجانات اور احساس تنہائی کا غلبہ رہا ___ لیکن وہ ایک دلآویز فطرت نگار شاعر بھی تھا۔فطرت کے اس کے مشاہدات شہروں سے دور ایک دور افتادہ مقام پر اس کے بچپن کے ابتدائی دور اور اس کے تجربات اور موسیقی وفن سے اس کے لگاؤ نے اسے فطرت سے اس حد تک قریب بھی رکھا کہ وہ ایک فطرت نگار شاعر کی حیثیت میں بھی دیگر معاصر اور بعد کے جاپانی شاعروں کی صف میں ایک نمایاں مقام پر کھڑا نظر آتا ہے۔لیکن فطرت کو موضوع بناتے ہوئے اس نے اپنے زاویہ نظر اور اپنے احساسات بلکہ کُل مزاج سے کہیں گریز نہیں کیا ___ ہمیں اس کی فطرت نگاری میں اسکی شخصیت، اس کا مزاج، اس کی اپنی حسی و جذباتی کیفیات اور ان سب سے بڑھ کر اس کا مخصوص یاسیت آمیز رویہ ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ ساکوتارو نے کس کس جذبہ واحساس کو ___ اپنے کس طرح کے لب ولہجہ میں پیش کیا ہے۔اس کے منتخب کلام کو نمونتہً اردو میں جناب سحر انصاری اور محترمہ شاہدہ حسن نے منتقل کیا ہے (الماس کی مجلسِ ادارت ان تراجم کی فراہمی کے لیے قونصل خانہ جاپان کی ممنون ہے)۔

﴿ترجمہ: ۱ تا ۸ سحر انصاری﴾

(۱)

A Sad distant View

ایک دور افتادہ افسردہ منظر

جب شام کا افسردہ پہر نمایاں ہوتا ہے

توتو کیو محنت کشوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے
اُن کی ہلکی پھلکی ٹوپیوں کے سائے سارے شہر میں پھیل جاتے ہیں
کبھی اس محلے میں اور کبھی اس محلے میں
سنگلاخ زمین کھودتے ہیں
جب وہ کھدی ہوئی زمین سے باہر نکلتے ہیں تو
اُن کے لباس کالک اور گرد و غبار میں اٹ جاتے ہیں
ان کا اپنا وزن کچھ زیادہ نہیں
ہلکی پھلکی خشک کلیوں جتنا ہے
اور وہ دور افتادہ علاقوں مثلاً ہونجوفو کا گاوا
سے چل کر آتے ہیں اور وقت مقررہ پر شہر میں پھیل جاتے ہیں
شام کے حساس سائے تلے
انتہائی مرجھایا ہوا دل ایک چمک دار بیلچہ چلا رہا ہے

(۲)

Twilight Room

نیم روشن کمرہ

تھکا ہوا دل رات بھر آرام سے سوتا ہے
میں بھی آرام کی نیند سو جاتا ہوں
اکیلے دل کا مالک گرم چادر اوڑھے ہوئے
اور پھر خواب میں موسم سرما کا انجماد
ایک مکھی کی طرح سرگوشی کرتا ہے
ہم، ہم، ہم، ہم

مجھے اس کمرے کی دودھیا روشنی پر افسوس ہوتا ہے
اس زندگی کی طاقت سے محروم کارکردگی مجھے تنہا کر دیتی ہے
جانِ من!
تم میرے سرہانے تکیے کے پاس
میرے بستر پر بیٹھی ہو
میری جان، تم یہاں بیٹھی ہو
تمھاری دل آویز گردن پر
تمھاری دراز زلفیں لہرا رہی ہیں
سنو، میری جان
میری خستہ حال تقدیر کو جنبش دو
میں بہت افسردہ ہوں
میں بڑے درد آمیز جذبے کے ساتھ
وہ غم ناک منظر دیکھ رہا ہوں جو اپنی افسردگی کے ہمراہ بڑھتا جا رہا ہے
اوہ، اس اشکبار کمرے کے ایک کونے سے
مکھی کا تھکا ہوا آسیبی سایہ منڈلانے لگا ہے
ہم، ہم، ہم، ہم
جانِ من
میرے کمرے میں میرے تکیے سے لگی
تم کیا دیکھ رہی ہو
تم مجھے کس طرح دیکھ رہی ہو
کیا تم میرے نحیف و نزار بدن کو دیکھ رہی ہو

اُس پر چھائیں کو جو ماضی کی یاد یہاں چھوڑ گئی ہے
جانِ من!

(۳)

Rooster

مرغی کی آواز

مشرقی بادلوں کی آمد سے پہلے
گھروں کے دروازوں کے باہر ایک مرغی کی آواز آرہی ہے
یہ ماں کی آواز ہے جو گاؤں کی دور افتادہ فضا سے
پکار رہی ہے
آؤ، آؤ، آؤ،
موسمِ سرما کی صبح اپنے بستر میں
میری روح اپنے پر پھڑ پھڑاتی ہے
دروازے کے روزن سے باہر جھانکتی ہے
چاروں طرف کا ماحول جگمگاتا دکھائی دیتا ہے
لیکن مشرقی بادلوں کی آمد سے پہلے
ایک اداسی چپکے سے میرے بستر میں در آتی ہے
یہ ایک گھریلو مرغی کی آواز ہے
جو دھندلے درختوں کی اونچی ٹہنیوں اور
گاؤں کی دور افتادہ فضا سے پکار رہی ہے
آؤ، آؤ، آؤ
میری جان

میری جان
سرد صبح کے طلوع ہوتے ہی
کاغذی دروازوں سے گُل داؤدی کی بھینی بھینی مہک آنے لگتی ہے
کسی روح افسردہ کی طرح
مرجھاتے ہوئے سفید گل داؤدی کی طرح
میری جان
میری جان
مشرقی بادلوں کی آمد سے پہلے
میرا دل ایک قبرستان کے سائبان کے گرد منڈلاتا ہے
آہ، کوئی شے مجھے بلاتی ہے،
ایک دردناک اذیّت میں
میں ہلکی گلابی ہوا کو برداشت نہیں کر سکتا
میری جان
ماما
جلدی سے آؤ اور کمرے کا لیمپ گُل کر دو۔

(۴)

Lonely Personality

اکیلی ذات

ایک تنہا شخص میرے دوست کو آواز دیتا ہے
میرے نامعلوم دوست، کیا تم فوراً آ سکتے ہو
ہم یہاں اِس پرانی بنچ پر بیٹھیں گے، اور خاموشی کے ساتھ

ایک دوسرے سے گفتگو کریں گے،
کسی شے پر بھی اظہار ملال کیے بغیر، تم اور میں
ایک بہت خوش گوار دن ایک ساتھ گزاریں گے
دور افتادہ باغ کے فوارے کی خاموش آواز ہم سنیں گے
آؤ، آہستہ، آہستہ، ہم ایک [illegible] ے کو اس طرح تھام لیں
ماں، باپ اور بھائیوں سے بچھڑے ہوئے
تیموں کے دلوں کو ہم باہم متحد کر دیں
تمام نوعِ انسانی کی زندگیاں موجود ہیں
لیکن آؤ ہم صرف میری اور تمہاری زندگیوں کی بات کریں
صرف ہم دونوں، غریب اور بے سہارا، خفیہ زندگیوں کی بات کریں
آہ، کیا یہ الفاظ خزاں رسیدہ پتوں کی طرح
ہماری گود میں نہیں گر رہے ہیں؟
مِرا سینہ ایک کمزور بچے کے سینے کی طرح بیمار ہے
میرا دل خوف، درد، اذیّت کے مارے کانپ رہا ہے
جیسے شدتِ جذبات سے پگھل رہا ہو
لیکن ایک بار میں بھی فلک بوس پہاڑ پر چڑھنے گیا تھا
میں دشوار گزار ڈھلوان کی سمت نظر اٹھائے ایک کیڑے
کی طرح اوپر ہی اوپر چڑھتا گیا
پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر کھڑے ہو کر
کیڑا تنہائی کے آنسو بہاتا رہا
پہاڑ کی چوٹی پر لہلہاتی ہوئی گھاس کے بالکل اوپر

ایک بڑا سفید بادل تیر رہا تھا
فطرت خواہ کہیں بھی ہو، مجھے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے
اور انسانی لطف و کرم مجھے افسردہ کر دیتا ہے۔

(۵)

The Primitive Sentiment

قدیم ترین جذبہ

ربڑ کے دیو ہیکل درخت
کثرت سے اس جنگل میں اُگ رہے ہیں
وہ پُر اسرار ہاتھی کے کانوں کی طرح ہیں
نیم تاریک نم آلود زمین پر اُن کے سایے بڑھتے جا رہے ہیں
ایک کے بعد ایک رینگ رہے ہیں
جنگلی پودے حشرات الارض
سانپ، آبی اور خاکی چھپکلیاں، مینڈک، گرگٹ وغیرہ
افسردہ افسردہ آرزوؤں کے ساتھ
آدھا دن گزار کر
آدم نے کیا حاصل کیا؟
قدیم جذبہ ایک بادل کے ٹکڑے کے مانند ہے
جو اپنے اندر بے پایاں محبت کو سمیٹے
دور افتادہ یادوں کے ساحل تک تیرتا جاتا ہے
اور اس کو اپنی گرفت میں لے لینے کا
کوئی طریقہ ہاتھ نہیں آتا

(۶)

Warbling Birds

چہچہاتی ہوئی چڑیاں

وہ نرم ہواؤں سے معمور دن تھا
اور میں اپنے افسردہ خیالات میں ڈوبا ہوا
درختوں کے سنسان جنگل سے گزر رہا تھا
درختوں کے خشک پتے مسلسل گر رہے تھے
موسم صاف شفاف تھا
صنوبر کی بلند ترین شاخوں پر
چڑیاں لہک لہک کر چہچہا رہی تھیں
غُل مچا رہی تھی
خوشیوں میں مگن چڑیاں اپنے سینے پُھلا پُھلا کر
اپنے جذبوں کا اظہار کر رہی تھیں
اوہ، میں آج کے تاثر سے خود کو کیسے باہر نکالوں
افسردہ سوچ اور ماضی کے ماحول کو کیسے بھلاؤں
بظاہر میں نے اپنی زندگی میں
کچھ بھی تو نہیں گنوایا
میں نے اپنی زندگی میں صرف خوش گوار لمحات گنوائے ہیں
خوش گوار لمحوں کو گنواتے ہوئے ایک زمانہ بیت گیا ہے

(۷)

Sickly Face at the Bootom of the Ground

زمیں کی تہہ سے ایک چہرہ ابھر رہا ہے

زمین کی تہہ سے ایک چہرہ اُبھر رہا ہے
ایک تنہا غیر معتبر چہرہ اُبھر رہا ہے
تاریکی میں زمین کی تہہ سے اُگنے والی
نرم نرم گھاس پھیلنی شروع ہو گئی
چوہوں کے بسیرے بھی پھیلتے جا رہے ہیں
ان گنت ریشہ دار جھاڑیاں لرز رہی ہیں
سال کے سب سے چھوٹے دن کا شمار کرو
تنہا بیمار زمیں سے نیلے بانسوں کی جڑیں اگنے لگی ہیں
اور یہ سب کچھ بہت غم انگیز لگ رہا ہے
دھند میں لپٹی ہوئی ہر شے
واقعی بہت غم انگیز دکھائی دے رہی ہے
زمین کی تہہ سے ایک تنہا غیر معتبر چہرہ اُبھر رہا ہے

(۸)

Chrysanthemum Gone Rancid

گُل داؤدی تازگی کھو چکا ہے

گُل داؤدی تازگی کھو چکا ہے
گُل داؤدی کراہ رہا ہے اور خون کے آنسو بہا رہا ہے

افسوس، ہائے افسوس، موسم کے آغاز میں
میرا کارآمد ہاتھ اس وقت کھلا گیا
جب میں اپنی انگلیاں تیز کر رہا تھا
اس امید پر کہ میں گُل داودی کو چٹکیوں سے مروڑ دوں گا
کہیں ایسا نہ ہو کہ جگمگاتے ہوئے آسمان کے
ایک گوشے میں گُل داودی کو مروڑ دیا جائے
گُل داودی بیمار ہے
گُل داودی شادابی کھو چکا ہے اور درد سے کراہ رہا ہے

(ترجمہ: ۹ تا ۱۲ شاہدہ حسن)

(۹)

گھاس کی پتی

سرد موسم کی زد پر
باریک بالوں میں لپٹی
ننھی سی گھاس کی پتی
دیکھو!
نیلگوں ہوئی یہ پنکھڑی
کتنی کومل
کتنی تنہا
ساری کی ساری، باریک رووَں میں لپٹی
دُور اُدھر
افق سے پرے

برف باری کا اندیشہ
اور اِدھر
ذرا سی دیر کو
یہ گھاس کی پتی

(۱۰)

بانسری

صنوبر کی شاخوں سے اُدھر
ایک شگوفہ توڑا گیا
اور پودوں پر
اپنا سُرخ غازہ چھوڑ گیا
ایک پھول کا توڑ لینا
جو اپنی پنکھڑیوں میں
تہہ در تہہ لپٹا ہو___
آہ!
یہ ٹوٹ جانا ایسا ہے
جیسے کسی کی محبوبہ، پھول توڑنے
کی آواز کے ساتھ ساتھ ہو
آکاش میں بجتی بانسری کی طرح
برف سے ڈھکی رات کے شفاف اور
روشن آسمان تلے
صنوبر کی چوٹی دمک رہی ہے

یک رنگی میں ڈوبی، اداس اور ملول
جیسے اُس نے اپنی ندامت کو
ہم پر آشکار کر دیا ہو
اور دور کہیں
آکاش میں خوبصورت بانسری بج رہی ہو۔

(۱۱)

شب بہار

موٹے خول والے گھونگھے
خوردنی گھونگھے
اور آبی کیڑے
یہ سارے اجسام، ریت میں دفن
پھر
کسی معدوم نقطے سے
ان گنت ہاتھ برآمد ہوتے ہیں
ریشمی نازک دھاگوں کی طرح
اور ان ہاتھوں پر اُگے، باریک بال
یوں لہرانے لگتے ہیں
جیسے لہریں لیتی موجیں
حیف ___ اس سرد بے التفات شبِ بہار پر
کہ ریت میں مدفون ان اجسام پر سے
سمندر کا کھارا پانی چھل چھل کرتا بہہ رہا ہے

اور گھونگھوں کی زبانیں بھی
جو آگے پیچھے ہل رہی ہیں،
اُداس لگ رہی ہیں
میں اس دور افتادہ ساحل کے
چاروں جانب دیکھتا ہوں
اُس گیلے ساحلی رستے پر
جہاں ایسے معذوروں کی قطاریں
نظر آرہی ہیں
جن کے نچلے دھڑ غائب ہیں
اور وہ اسی حالت میں
ڈگمگاتے ہوئے چل رہے ہیں
آہ،
ان انسانوں کے سروں پر سے
بہار کی رات کی دھند گزر رہی ہے
سارے جسم پر گھومتی ہوئی
اور سفید لہروں کی یہ قطار
ہلکے ہلکے ہلکورے لیتی جا رہی ہے۔

(۱۲)

ہجوم میں اپنی آرزوؤں کے ساتھ چلتے ہوئے

ہمیشہ میرا دل، کسی شہر کی آرزو میں بیقرار رہتا ہے
تمنا کرتا ہے

کہ وہ شہر کے ہلچل مچاتے ہجوم میں شامل ہو جائے
ہجوم ___ تمناؤں سے بھری ایک بڑی موج کی طرح
انسانوں کی خواہشات اور آرزوں کے دھارے کی طرح
جو بہتا رہتا ہے
آہ، بہار کے پُرحسرت جُھٹپٹے میں
ایک بڑے ہجوم میں شامل، دھکا کھاتے چلنا کتنا خوشگوار ہے
اور اپنے عکس کی تمنا کرنا
جو ایک پُر پیچ شہر کی عمارتوں کے درمیان بنتے جا رہے ہیں
دیکھو، یہ ہجوم کیسے بہا چلا جا رہا ہے
انسانوں کی ایک موج، دوسری موج پر چڑھی جا رہی ہے
اور ان موجوں کے ان گنت عکس بن رہے ہیں
ایسے عکس جو لرزتے ہوئے چل رہے ہیں
پھیل رہے ہیں
آگے بڑھ رہے ہیں
وہ افسردگی، وہ اُداسی، جو ان میں سے کسی شخص کے لیے بھی
میرے دل میں موجود تھی
ان سایوں میں کہیں گُم ہو گئی ہیں
اور اس کا اب کوئی سُراغ نہیں
آہ، میں کیسے پُرسکون دل کے ساتھ
اس گلی سے گذر رہا ہوں
میری وہ ہمہ گیر محبت اور معصومیت

اور اسکی بخشی ہوئی
پُرمسرت پرچھائیاں
مجھے لگتا ہے جیسے تم ان سب کو بہا لے گئے
کسی خوش و خرم لہر کی طرح
میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں
بہار کے ایک اداس دن کے دھندلکے میں
انسانوں کا یہ انبوہ
عمارتوں کے گچھوں کے نیچے سے بہتا چلا جا رہا ہے
نہ جانے کہاں؟
کس لئے؟
زمیں پر ایک بڑی سی پرچھائیں بن گئی ہے
اور اُس نے اپنے اندر
میرے دل کی اُداسی کو لپیٹ لیا ہے
ایک معصوم دھارے کے ساتھ ساتھ
اب یہ چاہے کتنی دور تک بھی بہتی چلی جائے
میں چاہوں گا بس اسی ہجوم کے ساتھ ساتھ رہوں
گُہر لیے افق تک
ہمیں ایک ہی لہر کے ساتھ
صرف ایک ہی سمت میں بہتے چلے جانا چاہیے

(۱۳)

کچھ جذبے بہار کے لیے

جیسے یہ مہک فرانس سے منگائے ہوئے سگریٹ کی راکھ کی ہو
اسے سونگھتے ہوئے
میں تو جیسے مدہوش ہو گیا
بے چین، بے قرار اور اُداس
پیچیدہ جذبوں سے بھرا آسمان
پرندوں کی نقری آوازیں
اور آنے والی بہار کی سرگوشی
یہ سب کے سب، کسی بانسری کی تیز آواز سے مماثل
جس میں ہر شخص کی زندگی کا ساز بجتا ہے
رستوں پر جھومتے، انوکھے پھول کھل رہے ہیں
اور ایک تنہا دُھن بجے جا رہی ہے
جو تیز بارشوں کے بھیگی بوجھل ہواؤں میں پھیلتی جا رہی ہے
جیسے کسی اُداس عورت کی آہ و فغان
جس کے بہار کا موسم نمناک دکھائی دینے لگے
پہاڑوں کی گہرائی میں پھیلے، تاریک جنگلوں میں
بہار آنے کو ہے
جیسے کٹے ہوئے درختوں کے ٹنڈ پر
کیڑے بل کھا کھا کر رینگ رہے ہیں
یوں ہی میری روح کی شاخوں پر

ان گنت کُھمبیاں پھوٹ رہی ہیں
سانپ کی یہ چھتریاں، کناروں سے نکل نکل کر گلنار پیالوں میں جمع ہو رہی ہیں
اور ان میں سے پراسرار کیفیتیں نمودار ہو رہی ہیں
ایک گہری خوشبو، تنہا اور اُداس، تمام دن پر مُحیط
بہار آنے ہی کو ہے
اور اس کے آنے میں اک ایسی گہری مُسرت پوشیدہ
جیسے کسی بانسری کی آواز
جس میں ہر شخص کی زندگی کا ساز بج رہا ہو

یہاں اور وہاں
بے شُمار کُھمبیاں
بے شمار سانپ کی چھتریاں
اور جھاڑیوں کے نزدیک
سب کی سب دمکتی ہوئی
اور جمع ہوتی ہوئی
گُلنار ہوتے، بے شمار رنگ کے پیالوں میں

(۱۴)

آواگون اور تناسخ (یعنی مرنے کے بعد روح کا کسی اور جسم میں منتقل ہو جانا)

اُن پہیوں کی طرح
جو شیاطین جہنم گھما دیتے ہیں
سرما کے دن بھی گھٹتے چلے جا رہے ہیں
تنہا تنہا

تناسخ شدہ پرندے مرتے چلے جا رہے ہیں
ریتیلے میدانوں کی پرچھائیوں میں
آہ، جیسے اس طرح کا کوئی اُداس دن
دیر تک ٹھہر جائے
تو میں ایک خیالی اونٹ پر سوار ہو جاتا ہوں
اور کوشش کرتا ہوں
کہ گرتا پڑتا ایک غم انگیز سفر پر روانہ ہو جاؤں
جہاں ایک ایسا ہی ملول اور دلگیر خطہ ہو
جیسا اُن بڈھے بھکاریوں کا گروہ ہے
یہ جو بے شمار بھکاری میرے سامنے سے
گزرتے چلے جا رہے ہیں
گدھوں کے جمِ غفیر کی طرح، جو مردار پر ٹوٹ پڑتے ہیں
اس گندی دنیا کی جھلسی ہوئی سرزمین پر
ننھی ننھی تتلیاں، کیڑوں کے جُھنڈ کی صورت اڑ رہی ہیں
کیسا اندوہناک نظارہ ہے یہ
ہر طرف لمبی گردنوں والے پھول لہلہا رہے ہیں
کچھ بھی تو نہیں سوچنے کے لیے
دھندلکا بڑھتا چلا آ رہا ہے
محبتوں اور تنہائیوں کی زندگی سے وہ صورتیں نکل چکیں
جو جلد دسترس میں آ جاتی تھیں
اب تو بس، بھوتوں جیسے ہیولے رہ گئے ہیں

سوکھی مٹی کے ٹیلے پر
یہ مُرغِ بادنُما، کس طرف دیکھ رہا ہے؟
شاید اُدھر
جہاں سرما کے دن گھسٹ گھسٹ کر چل رہے ہیں
اور اناج کی کونپلیں ہوا کی زد پر ہیں۔

(۱۵)

قابلِ نفرت منظر

جب بارش ہوتی ہے
منظر، دھندلا سفید ہو جاتا ہے
عمارتیں، مکانات
ڈھلوانوں پر بھیگنے لگتے ہیں
میں سوچنے لگتا ہوں
اُس تنہا، اجاڑ گاؤں کے بارے میں
جہاں گلے سڑے جذبات کے ساتھ
وہ گھوڑوں جیسی زندگی گزارتے رہے ہیں
میں نے ان گھروں کی دیواروں کے گرد چکر کاٹا
اُن پر اُگیں کائیاں دیکھیں!
اُن کی خوراک کس قدر بدذائقہ!
یہاں تک کے ان کی روحیں بھی
بارشوں کے موسم جیسی!!
جتنی دیر بارش ہوتی رہی

میں بیزاری سے پُر، اُس گاؤں میں گھومتا رہا
ایک ہلکی بھوری، بھوتوں جیسی پرچھائیں کے ساتھ
جو اس بیزاری کا حصہ تھی
دراصل، میں نے ان کی غربت دیکھی
بارشوں کے پھسلن زدہ موسم میں
ایک چیز، بارشوں میں تر!
بہت تنہا
بہت نفرت انگیز!!۔

(۱۶)

ایک چہرہ

اُس لمحے
جب چیری کے ادھ کھلے شگوفوں پر
بہار آ رہی ہو
ایک شفاف، غیر موجود چہرہ
پھر سے تیرتا ہوا آتا ہے
اور کھڑکیوں کی طرف تکنے لگتا ہے
بہت قدیم یاد کے سائے میں
مجھے لگتا ہے
میں اس سے مل چکا ہوں
کسی دریا کے گھاٹ پر
کہیں، کسی جگہ

اس میں سے بنفشے کی خوشبو جیسی
اُداسی پھوٹتی ہے
شیشے کی کھڑکیوں میں
جہاں باہر کی روشنی جگمگاتی ہے
یہ چہرہ، فاصلے پر جا کر گم ہو جاتا ہے
ایک دھنک کی طرح
میں اک ایسی ہی اُداسی سے آشنا ہوں
جو زندگی کے دھندلے دھندلے رستوں سے
گزر کر، پھر کبھی واپس نہیں آتی

☆☆☆